عید مبارک







الغزالی اردو فورم کا ترجمان مجلہ

اَفکارِ قاسمی

شمارہ اپریل تا جون 2024

 www.algazali.org

 qasmimag@gmail.com

الغزالی فورم









افکار قاسمی اراکین



فہرست مضامین

اداریہ



مدیر کے قلم سے

سال میں ایک دفعہ اللہ رب العزت کا مہمان یعنی رمضان ایک ماہ کے لیے ہمارے ہاں قیام کرنے آتا ہے۔یہ صرف قیام ہی نہیں بلکہ اللہ کی خصوصی رحمت ہمارے لیے ساتھ لاتا ہے۔جب اللہ پاک کی خصوصی رحمت کا نزول ہوتا ہے تو جو انسان سال بھر گناہوں کی دلدل میں پھنسا رہتا ہے،دل عجیب سی کیفت میں مبتلا رہتا ہے،انسان سکون تلاش کرتا ہے،اس رحمت کے برسنے سے دل کو قرار آجاتا ہے،دل سکون پا جاتا ہے،دنیا کی تھکاوٹ سے کچھ دیر راحت حاصل کر لیا ہے۔

جب انسان کو راحت نصیب ہوتی ہے تو انسان اپنے گریبان میں جھانکتا ہے،اسے اس کا ضمیر،اس کا نفس اسے ملامت شروع کرتا ہے تو انسان اپنے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے۔جب انسان اپنے باطن کی طرف دیکھتا ہے تو اسے اپنی نافرمانیاں،ناقدریاں،احکامات کی پالیاں نظر آتی ہیں۔

جب یہ سب محسوس کرتا ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے،آنسو بہاتا ہے،گڑگڑاتا ہے،مانگتا ہے۔اللہ کی رحمت کو مزید اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو اللہ پاک اس کے لیے مغفرت کا اعلان کرتے ہیں،اس کی لغزشوں کو معاف کرتے ہیں،اس کی کوتاہیوں کو معاف کرتے ہیں،اس سے درگزر والا معاملہ فرماتے ہیں۔جب یہ سب معاملات ہو جاتے تو رب کریم اس پر مزید کرم والا معاملہ کرتے ہیں اور اس انسان کو جہنم سے آزادی عطا فرما دیتے ہیں۔

جس طرح کاروبار کا سیزن، پھلوں کا سیزن، تجارت کا سیزن آتا ہے اسی طرح رمضان المبارک بھی ہمارے لیے نیکیوں کا سیزن لاتا ہے، رحمت، مغفرت، جہنم سے آزادی، رب کی طرف سے اپنے بندوں کے انعامات کا سیزن لاتا ہے۔ جتنا حاصل کر سکتے ہو، جتنا استفادہ حاصل کر سکتے ہو، جتنے فوائد حاصل کر سکتے ہو کر لو، زندگی میں یہ مواقع بار بار نہیں ملا کرتے۔

ہم خوش قسمت ہیں بلکہ خوش قسمت ترین انسانوں میں ہمارا شمار ہے کہ رب لم یزل نے ایک بار پھر ان لمحات سے ہمیں مستفید فرمایا، اپنی اس خصوصی رحمت کے ساتھ رمضان کا مہینہ عطا کیا تاکہ ہم متقی اور پرہیزگار بن سکیں، رب کی عطائیں، رب کی کرم نوازیاں، رب کے انعامات، سب سے بڑھ کر رب کائنات کی رضا حاصل کر سکیں۔

ایک صحابیؓ نے حضور کریم ﷺ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجیے جس سے حق تعالیٰ مجھے نفع دے"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''علیک بالصوم، فإنهٗ لا مثل لهٗ'' (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۴۰)

"یعنی روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی عمل نہیں۔"

اس بات سے اندازہ کر لیں کہ یہ مہینہ ہمارے لیے کتنا خاص الخاص ہے، اس ماہ مبارک کو قرآن کے نزول کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔'' (البقرۃ: آیت: ۱۸۵)

"رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے راہنمائی، ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے، پس جو کوئی یہ (مبارک) مہینہ پائے اُسے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔"

رمضان اور قرآن کریم دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے کہ قرآن رمضان میں آیا تو رمضان کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا۔

اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ: رمضان اور قرآن کا جسم اور روح کا سا تعلق ہے۔ رمضان جسم ہے تو قرآن کریم روح ہے:



ماہِ صیام تیرا کیوں نہ ہو احترام
کہ نازل ہوا تجھ میں اللہ کا کلام

رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک انسان کوشش کرے تو ایک رمضان سارے گناہ بخشوانے کے لیے کافی ہے، جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور یہ یقین کر کے رکھے کہ اللہ تعالٰی کے تمام وعدے سچے ہیں اور وہ تمام اعمالِ حسنہ کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔

جس نے اس ماہ مبارک استفادہ نہ کیا وہ نبی کریم ﷺ کی اس دعا کو غور سے سنیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منبر کے قریب ہو جاؤ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منبر سے قریب ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے پر قدم مبارک رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب تیسرے پر قدم مبارک رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اُترے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: (یارسول اللہ!) ہم نے آج آپ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سُنی جو پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت جبرائیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) اُنہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ پایا، پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا: آمین۔ پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائے اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو جائے۔ میں نے کہا: آمین۔ (مستدرک حاکم)

رمضان المبارک کے آخری ایام شروع ہیں اس میں ہی ہمیں لیلۃ القدر ملنی ہے اور انہی ایام میں جہنم سے آزادی کے پروانے، موقع ضائع مت کیجئے گا۔ زندگی اگر رمضان جیسی گزار لی، رب موت عید جیسی عطا کر دے گا۔



درس قرآن



حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

جواہرات سورۃ الفاتحہ آخری حصہ

اِیَّاکَ نعبد واِیَّاکَ نستعین

مرض رِیاء کا علاج اِیّاکَ نعبد میں مرض کبر کا علاج **واِیَّاکَ نستعین** میں ہے۔

اِھدِنا الصّراط المستقیم

مرض ضلالت وغضب کا علاج

صراط الّذین انعمت علیھم

مذکورہ امراض سے شفایاب ہونے والا **منعم علیھم** میں شامل ہو جاتا ہے۔

الحمدلِلّٰہ ... اھدنا الصّراط

قبولیتِ دعا کے لئے حمد و ثنا کا وسیلہ مقدم ہونا چاہئے۔



اِیَّاک نعبد ... غیر المغضوب علیھم

طالبینِ ہدایت کو انعام اور معاندین و جاہلین کو غضب و ضلال نصیب ہوتے ہیں۔

مالکِ یوم الدّینِ

اثباتِ حیات بعد الوفات، زندہ ہونگے تو فیصلہ ٔ خداوندی ممکن ہو گا۔

اِیَّاکَ نعبُدُ

عبادۃِ قلب محبت، خشوع، اُمید و خوف، توکل و تقویٰ، انابت وغیرہ ہیں۔

اِیَّاکَ نعبُدُ

عبادتِ زبان دعوت الی اللہ، دین سے مدافعت، بدعات کا بطلان، تلاوتِ کتاب تسبیحات ہیں۔

اِیَّاکَ نعبُدُ

عبادتِ بدن نماز، جہاد، روزہ، حج و عمرہ وغیرہ ہیں۔

اِیَّاکَ نعبُدُ

عبادتِ مال زکٰوۃ، صدقات، نفقاتِ واجبہ وغیرہ سب اللہ کے لئے خاص ہیں، کیونکہ یہاں مطلق عبادت کا بیان ہے جو تمام اقسامِ عبادات کو شامل ہے۔

واِیَّاکَ نستعین

ہمہ قسم عبادت پر طلبِ توفیق بھی اللہ سے ہونی چاہئے کیونکہ استعانت بھی مطلق ہے۔

الحمدلِلّٰہ ... تا ... المستقیم

عبادت مرتب ہے اللہ کے پانچ ناموں اللہ، رب، رحمن، الرحیم، مالک پر اور ہدایت لاحق ہے اس کو، معلوم ہوا قبولیتِ عبادت اور حصولِ ہدایت کے لئے ان صفاتِ الٰہیہ کا اقرار و اعتقاد شرط ہے۔



درس حدیث





حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

اخلاق النبی ﷺ حصہ سوم

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا سَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ۔ كَانَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَتْبَعُ الْجَنَازَةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَوْمَ خَيْبَرٍ عَلٰى حِمَارٍ خِطَامُهُ لِيْفٌ۔ (ابن ماجه)

آپ ﷺ تکلف کے ساتھ یا بلا تکلف گھٹیا کلام نہیں کرتے تھے۔ نہ بازار میں شور مچاتے پھرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر کرتے۔ آپ ﷺ مریضوں کی بیمار پرسی کرتے، جنازہ کے ساتھ جاتے غلام تک کی دعوت قبول کر لیتے اور گدھے پر بھی سوار ہو لیتے، غزوہ خیبر میں گدھے پر سوار تھے، گدھے کی لگام کھجور کی رسی تھی۔

كَانَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيُخِيْطُ ثَوْبَهُ وَيَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهِ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهِ وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ۔ (ترمذی)



آپ ﷺ جوتا گانٹھ لیتے، کپڑا سی لیتے، اپنے گھر کا کام اسی طرح کر لیتے جس طرح تم میں سے ہر کوئی کر لیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ بشر میں سے بشر تھے، کپڑوں میں جوئیں بھی تلاش کرتے، بکری کا دودھ بھی نکال دیتے اپنی خدمت خود کر لیتے۔

كَانَ إِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزَعْ يَدَهُ مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَنْزِعُ يَدَهُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَصْرِفُ وَجْهَهُ وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهُ۔ (ترمذی)

جب آپ ﷺ کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا اور آپ ﷺ اپنا چہرہ بھی اس کے چہرے سے نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ اپنا چہرہ نہ ہٹا لیتا۔ اور آپ ﷺ کو نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ بیٹھنے والے کے سامنے اپنی ٹانگیں پھیلائی ہوں۔ (ترمذی)

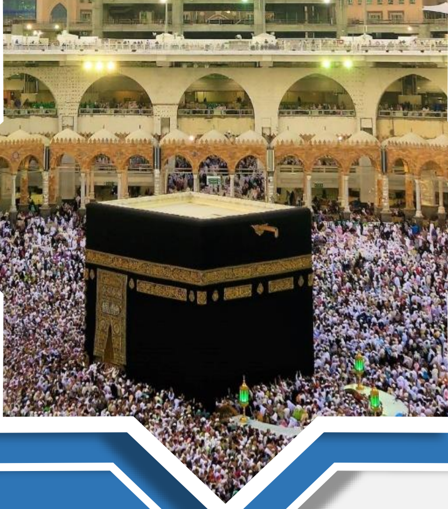
كَانَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔

آپ ﷺ کسی چیز کو کل کے لئے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت اُسید مزاحی طبیعت کے تھے ایک دن لوگوں میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے تاکہ لوگوں کو ہنسائیں، آپ علیہ السلام نے آکر اس کے پہلو میں چونکا دے دیا تو اس نے کہا آپ صبر کریں آپ ﷺ نے فرمایا میں صبر کرتا ہوں یعنی بدلا دیتا ہوں تو اس نے کہا آپ ﷺ قمیص پہنے ہوئے ہیں میں قمیص پہنے ہوئے نہیں تھا۔

فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَمِيْصَهُ فَاحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ وَيَقُوْلُ إِنَّمَا أَرَدْتُّ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۸۱ حصہ ۷)

آپ ﷺ نے اپنی قمیص اوپر کی تو اس نے آکر جپھی لگالی اور چومنے لگا اور کہا میرا یہ ارادہ تھا اے اللہ کے رسول! (ﷺ)



میرے دل کی آبیاری ہوگئی



ایم راقم نقشبندی

میرے دل کی آبیاری ہو گئی
رب سے میری جب سے یاری ہو گئی

دل نے جب بھی اللہ اللہ ہے کیا
اُس گھڑی پھر اشکباری ہو گئی

آ سناؤں حالِ دل اپنا تجھے
یار کی اب آشکاری ہو گئی

وقف آقاءِ دو عالمﷺ پر مری
زندگی ساری کی ساری ہو گئی

خود سے رہتا ہوں میں اکثر ہم کلام
یار یہ کیسی بیماری ہو گئی

دیدِ جاناں کے لیے راقم میاں
دیکھ حالت کیا ہماری ہو گئی





نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



ایم راقم نقشبندی

عشقِ سرکار میں ڈوبا ہوا دل چاہتا ہوں
ایسے لمحات میسر ہوں یہی مانگتا ہوں

پیڑ کی چھاؤں تمھیں اچھی ہوں لیکن میں تو
سایہءِ گنبدِ خضرا کو جِلا مانتا ہوں

خواب میں آئیں نبی یوں نہ دھڑکتے رہنا
روز اِس بات پہ اِس دل کو یونہی جھانکتا ہوں

میری ہستی مری بستی مرا سب کچھ ہے وہیں
میں اسی واسطے روضے کی طرف بھاگتا ہوں

آپ کی دید ہو اور نیند میں ہو مجھ سا غلام
ہو نہ جائے یہ خطا راتوں کو میں جاگتا ہوں



ہاشمی مکّی و مَدَنی ہے نبی جی کی ذات
اُن کو سردارِ رُسُل صاحبِ کلؔ مانتا ہوں

نعت کہنے کا ہنر مجھ میں کہاں رکھا ہے
میں خطاکار و سیہ کار ہوں یہ جانتا ہوں

شہرِ سرکار سے کچھ خاک اٹھائی راقمؔ
سُرمہءِ خاک بصارت کے لیے ڈالتا ہوں

جنت کی ابدی نعمتیں کس کے لئے ہیں؟

حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کے درِ رحمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ سلطانِ کونین ﷺ ایک بوریئے پر آرام فرمارہے ہیں سرِ اقدس کے نیچے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں ناریل کے ریشے بھرے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر بوریئے کے نشانات نقش ہو گئے ہیں یہ حال دیکھ کر سیدنا فاروق اعظمؓ روپڑے سرورِ کائنات ﷺ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قیصر و کسریٰ تو عیش وآرام میں ہوں اور آپ اللہ کے رسول ہو کر اس حالت میں نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عمرؓ کیا تمہیں پسند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔(بخاری، کتاب التفسیر، باب تبتغی مرضاۃ ازواجک۔۔۔الخ، ۳/۳۵۹،الحدیث:۴۹۱۳)



حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ



محمد داؤد الرحمن علی

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۲۸ مارچ ۱۸۷۲ بمطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیلانوالی کے ایک سکھ خاندان کے گھر پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد رام سنگ زر گر تھے۔ آپؒ کی ولادت سے چار ماہ قبل آپؒ کے والد گرامی کا انتقال ہو چکا تھا۔ دادا نے آپؒ کی پرورش کی لیکن دو سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا۔ دادا کی وفات کے بعد آپؒ کو آپ کی والدہ لے کر ننھیال آگئیں۔ چند سال بعد آپؒ اپنے ماموں کے ہاں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان تشریف لے آئے اور یہیں اردو مڈل تک تعلیم حاصل کی۔

۱۸۸۴ھ میں آپؒ نے اپنے ایک ہم جماعت سے کتاب "تحفۃ الہند" لے کر پڑھی۔ اس کتاب کے مصنف پہلے ہندو تھے بعد از اسلام انہوں نے اپنا نام "عبید اللہ" رکھا۔ اس کے بعد آپؒ نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب "تقویت الایمان" کا مطالعہ کیا اور یوں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اسلام کی طرف راغب ہو گئے اور اسلام قبول کر کے ۱۲ سال کی عمر میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آپؒ نے اپنا نام "تحفۃ الہند" کے مصنف مولانا محمد عبید اللہؒ کے نام پر اپنا نام بھی "عبید اللہ" رکھا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی قبول اسلام کے بعد حافظ محمد صدیق بھرچونڈیؒ کے پاس سندھ تشریف لائے۔ ۱۸۸۸ء میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔



یہاں آپؒ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے علم فیض حاصل کیا۔ درالعلوم دیوبند سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمانے کے بعد آپؒ سندھ تشریف لے آئے۔ امروٹ ضلع سکھر میں اسلامیہ سکول کے مدرس مولانا عظیم اللہ خان یوسف زئیؒ کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ گوٹھ پیر جھنڈ میں دارالارشاد قائم فرمایااور سات سال تک اشاعت دین اسلام کے سلسلہ میں کام کرتے رہے۔

۱۹۰۹ء میں اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ارشاد عالیہ کی روشنی میں دیوبند تشریف لے گئے وہاں طلباء کی تنظیم جمعیت الانصار میں اہم خدمات سرانجام دیں، حکومت کے دباؤ کے باعث وہاں زیادہ دیر قیام نہ رہا۔ دیوبند سے دہلی منتقل ہوئے جہاں حکیم محمد اجمل خانؒ کے ساتھ مل کر اشاعت دین کا کام کرتے رہے۔

۱۸۱۵ میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر افغانستان تشریف لے گئے تقریباسات برس کابل میں قیام پذیر رہے۔ امیر امان اللہ خان کو انگریزوں سے جنگ پر امادہ کرنے پر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو یہاں سے بھی نقل مکانی کرنی پڑی۔ کچھ عرصہ ماسکو میں قیام فرمایاوہاں سے ترکی تشریف لائے۔ ۱۹۲۴ میں ترکی سے اپنی ذمہ داری پر "تحریک شاہ ولی اللہؒ" کے تیسرے دور کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۷ میں آپؒ ترکی سے حجاز مقدس پہنچے اور ۱۹۲۹ تک یہیں قیام فرمایا۔

آپؒ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن حق کا دیا چلانا نہ چھوڑا۔ ہمہ وقت صدائے اسلام، اسلام کی حقانیت کو سب کے سامنے آشکارا کرتے رہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ غیر معمولی ذکاوت، ذہانت اور حافظہ کے مالک تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی "تحریک ریشمی رومال" میں سرگرم رہے، افغانستان کی آزادی کی تحریک کی سکیم آپؒ نے ہی مرتب فرمائی تھی۔ ۲۵ سال تک جلاوطن رہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ساری زندگی قائد حریت کی حثیت سے اسلامی وسیاسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو "امام انقلاب" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

۲۲ اگست ۱۹۴۴ کو دین پور میں آپؒ نے اس دنیا کو الوداع کہااور اسی سرزمین پر سپرد خاک ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ



روزہ اور تزکیہ نفس



عبدالمتین مدیر مدرسہ دارارقم

روزے کی فرضیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ(2:183)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو"

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 183 میں اللہ رب العزت روزوں کی فرضیت کا اعلان فرماتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو سن دو ہجری میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس آیت کے نازل ہوتے ہی روزوں کا جو سلسلہ چل رہا تھا وہ فرض روزوں میں تبدیل ہو گیا، روزہ رکھنے کا تصور تو اس سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اس آیت کے نازل ہوتے ہی روزوں کو رمضان المبارک کی صورت میں فرض روزوں کا درجہ دیا گیا۔

رب العالمین کا حکم

اللہ رب العزت نے انداز ایسا اختیار کیا کہ :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ



"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں"

جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی ایک خالق اپنے مخلوق کو کسی بات کا حکم دے رہا ہے۔ پوچھا نہیں جارہا کہ تم پر روزے فرض کریں یا نہیں یا ہم تم پر روزے فرض کرنے والے ہیں۔ بلکہ جو بارگاہ میں طے ہوا اس کی اطلاع کی جارہی ہے، کہ تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں۔ ایک مخلوق کی حثیت سے اپنے خالق کا حکم تمہیں اس طرح ماننا ہے کہ جیسے ہی حکم آگیا اب تمہیں دوسری کوئی بات نہیں کرنی اب تمہیں روزوں کا اہتمام کرنا ہے۔ اب تمہیں اس کی حکمتیں نہیں پوچھنی، اپنی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑانے کہ پہلے نفلی تھا اب اچانک فرض کیسے ہوا کیوں ہوا وغیرہ۔

صوم کا مفہوم

آیت میں صیام کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی روزے کے ہے، **صوم** لغت کے اعتبار سے کسی کام سے رک جانے کو کہتے ہیں۔ روزے کو **صوم** اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں سحری کا وقت ختم ہونے سے سورج غروب ہونے تک کھانا، پینے اور ازدواجی تعلق قائم کرنے سے خود کو روکنا پڑتا ہے۔

روزے کی تاریخی حیثیت

اس آیت کے دوسرے حصے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے پہلے بھی روزوں کا سلسلہ موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں یہودیوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی اور یہودی عاشورہ یعنی محرم الحرام کی دس تاریخ کو کا روزہ رکھنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کا ماننا یہ تھا کہ اسی دن اللہ تعالٰی نے فرعون اور اس کے مظالم سے بنی اسرائیل کو آزادی عطا فرمائی تھی۔ اس تاریخی شکرانے کے طور پر ان میں روزے رکھنے کا رواج پیدا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک یہ رواج جاری تھا۔ اس کے علاوہ عیسائی مذہب میں بھی روزوں کا سلسلہ موجود تھا۔ اسی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے کہ فرمایا کہ تم سے پہلے کی امتوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے لہذا تم سے کسی نئے اور انوکھے کام کا نہیں کہا جارہا۔ اس طرح ایک تسلی والی بات کردی جیسے ہم کسی شخص کو کوئی نیا کام کرنے کا کہہ دیتے ہیں کہ آپ یہ کام کریں اور اسے ساتھ ساتھ بتاتے ہیں کہ یہ کام فلاں بھی کرچکا ہے اور میں نے خود بھی یہ کام کیا ہے وغیرہ تو اب اس کرنے والے کو ذرا



تسلی ہو جاتی ہے، اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ کام میں پہلی بار نہیں کر رہا، یہ اگر اتنا مشکل ہوتا تو یہ بھی نہ کر سکتا۔ تو اللہ رب العزت نے جیسے تسلی کا کلمہ ذکر فرمادیا کہ تم سے پہلے بھی روزے کی عبادت کا تصور تھا۔

روزے کا مقصد

آیت کے آخر میں روزے کا مقصد ذکر فرمایا کہ روزے کا سلسلہ کیوں شروع کیا؟ اور اس کا اصل مقصد کیا ہے؟ یہ بھوک اور پیاس برداشت کرنا اور ازدواجی تعلق سے دور رہنا ان سب کا اصل مقصد کیا ہے؟ اللہ رب العزت ہمیں بھوکا اور پیاسا رکھ کر کیا چاہتے ہیں۔ آگے پھر وہ مقصد ذکر فرمایا کہ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پرہیز گاری پیدا ہو

نیک اعمال کرنے اور برائیوں سے بچنے کی عادت پیدا ہو جائے۔ یہ روزے کا اصل مقصد ہے۔

یوں تو تمام عبادات کا یہی مقصد ہے۔ نماز کا بھی یہی مقصد ہے، حج کا بھی یہی مقصد ہے، صدقے کا بھی یہی مقصد ہے۔ لیکن دوسری عبادات کے مقابلے میں روزے سے یہ مقصد جلد اور زیادہ اچھے طریقے سے پورا ہوتا ہے اسی لیے یہاں بطور خاص یہ مقصد ذکر فرمایا۔

تقویٰ کیا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ کے معنی ہیں بچنا، کسی چیز سے پرہیز کرنا، کسی چیز سے اپنے آپ کو اہتمام کرکے بچانا۔

فاروق اعظم اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی ملاقات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات صحابی رسول حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی جو بہت بڑے صحابی تھے، جن کو صحابہ میں "اقرا الصحابہ ابی بن کعب" کہاں جاتا ہے، صحابہ میں سب سے بڑے قرآت کے ماہر اور قاری ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، سب سے زیادہ قرآت اور تجوید کے جاننے والے تھے، سورۂ فاتحہ کے فضیلت کی روایت ان ہی سے منقول ہے۔ ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ یہ تقویٰ کیا چیز ہے، جس کا ذکر قرآن میں بار بار کیا گیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین آپ کبھی ایسے راستے سے گئے ہیں جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں، کانٹے دار راستہ ہو اور بیچ میں راستہ بھی تنگ ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسا

تو بہت بار ہوا ہے کئی مرتبہ میں ایسے راستے سے گزرا ہوں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ آپ ایسے راستے سے کیسے جاتے ہیں؟ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اپنا دامن سمیٹ سمیٹ کر جاتا ہوں کہ کہیں یہ کانٹے میرے کپڑوں میں نہ چبھ جائیں، کہیں مجھے نقصان نہ پہنچ جائے۔ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہی تقویٰ ہے کہ ساری زندگی خواہشات اور نفسانیت کے خطرناک راستے سے ایسے گزرنا کہ خواہشات اور نفس کے کانٹوں سے خود کو سمیٹ سمیٹ کر بچانا اور گناہوں میں پڑنے سے بچ زندگی کے راستے کو پار کرنا ہی "تقویٰ" کہلاتا ہے۔ یعنی جس طرح تم ایسے راستے میں اپنے کپڑے سمیٹ کر جاتے ہو ویسے ہی دنیا میں خود کو ان نفسانی و شیطانی حربوں سے بچانے کی کوشش کرنا ہی در حقیقت تقوی ہے۔

نفس اور شیطان

علماء فرماتے ہیں کہ نفس اور شیطان یہ دونوں آپس میں حقیقی بھائی ہیں اور ان دونوں کا جنم بھی ایک ساتھ ہوا ہے۔ ان دونوں کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسان کو کسی نہ کسی طریقے سے راہِ راست سے ہٹا کر گمراہ کرنا اور پھر اسے اپنی منزلِ مراد یعنی "جنت" سے دور کرنا۔ یہ ان کا اصل مقصد ہے۔

روزہ: جنت کی سیڑھی

روزہ اس مقصد یعنی جنت کو حاصل کرنے کی ایک سیڑھی ہے کہ جب انسان روزے کی عبادت میں مصروف رہتا ہے تو نفس کی تربیت کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور یہ تربیت تقوے کا جوہر پیدا کرتی ہے اور جب تقوی پیدا ہوتا ہے انسان ہدایت کے رستے پر چل پڑتا ہے اور بالآخر یہ رستہ جنت تک پہنچا دیتا ہے۔

روزہ اور نفس کی تربیت کا عمل

اس پورے پس منظر میں اصل تصادم نفس کی تربیت کا ہے اگر تربیت ٹھیک ہوئی تو تقوے کا حصول ممکن رہے گا ورنہ ناممکن۔ نفس کو اللہ ربّ العزّت نے اس انداز سے پیدا فرمایا ہے کہ اس کی جتنی بات مانی جائے اتنا ہی یہ بگڑتا جاتا ہے اور جتنا اس کی بات رد کی جائے اتنا ہی یہ سدھرنے لگتا ہے اگر اس کو زیادہ کھلایا پلایا جائے یہ زیادہ بگڑتا ہے، اس کی خواہشات کو جتنا زیادہ پورا کیا جائے اتنا ہی اس میں بگاڑ آتا بڑھتا رہتا ہے، جتنا اس کی بات مانی جائے گی یہ اتنا ہی زیادہ بگڑنے لگتا ہے، جیسے ہم دیکھتے ہیں چھوٹے بچوں کی ہر ضد پوری کی جائے تو دوسرے دن اتنا ہی ان کی ضد میں اضافہ ہوتا ہے، ٹھیک ایسی ہی نفس کی مثال ہے یہ نفس چاہتا ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ کھاؤں، یہ چاہتا ہے کہ میں زیادہ آرام کروں ہر وقت سوتا رہوں، عیاشی کروں، مزے سے بیٹھا رہوں، تکلیف مشقت سے دور رہوں۔ لہذا اس کی مانتے

جائیں تو یہ بس نہیں کرے گا بلکہ اضافی خواہشات کی تمنا کرتا جائے گا مثلا نفس چاہتا ہے کہ اس کی جنسی خواہشات زیادہ سے زیادہ پوری ہوں لیکن جتنا زیادہ ملے گا اتنا ہی تقاضہ بڑھتا جائے گا۔

روزے کی صورت میں اللہ رب العزت نے نفس کی تربیت کا ایک بہترین انتظام فرمادیا کہ نفس کا سدھارنا ہے تو بہت مشکل مگر تمہیں جو روزے کا طریقہ بتایا جارہا ہے اس کے ذریعے تم اپنے نفس کو ٹھیک کرنے کی کامیاب کوشش کر سکتے ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ تم کچھ وقت کے لیے اپنا کھانا پینا اور جائز جنسی تعلق چھوڑ دو تو نفس پر یہ سب بھاری پڑے گا اور اصول یہ ہے کہ جب بھی نفس پر مشقت آتی ہے تو ابتداء میں بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ تکلیف ایک جوہر اور ایسی قابلیت پیدا کر دیتی ہے کہ نفس انسان کو بری باتوں کی طرف راغب نہیں کرتا اس میں سدھار پن آجاتا ہے۔

خواہشات نفسانی کا اثر

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص کم کھانا کھاتا ہے تو اسے بیت الخلاء کی حاجت بھی کم ہوتی ہے، نیند بھی کم آتی ہے، دل میں جذبات اور خواہشات کم پیدا ہوتی ہیں۔ جبکہ روزے میں کم کھانا معمول بن جاتا ہے نتیجے میں ان سب چیزوں سے بچنے کی طاقت خود سے پیدا ہو جاتی ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں نفس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شیر خوار بچہ وہ بچہ جو ماں کی سینے سے چمٹ کر دودھ پیتا ہے۔ اب جب اس کی دودھ پینے کی مدت مکمل ہوتی ہے تو ہم بچے کو دودھ چھڑانے کے لیے سینے سے دور کر دیتے ہیں لیکن بچہ رونے لگ جاتا ہے، چیخنے لگتا ہے، بار بار روتا ہے بعض اوقات بیمار بھی ہوتا ہے لیکن ہم اس کا رونا دھونا بیماری سب برداشت کرتے ہیں لیکن اسے پھر سے ماں کا دودھ نہیں پلاتے کیونکہ اگر اس بچے کی ضد پوری کی جائے اور اسے دودھ پینے میں دوبارہ لگا دیا جائے تو وہ شباب کی سرحد کو چھولے گا لیکن اس کا دودھ نہیں چھوٹے گا وہ پیتا ہی رہے گا۔ تو ضروری ہے کہ اس پہ کچھ نہ کچھ مشقت لائی جائے، بار ڈالا جائے، کچھ رونے کو بھی برداشت کیا جائے، چیخوں پر بھی صبر کیا جائے اس نیت سے کہ آئندہ وہ اس عادت سے محفوظ رہے۔

نفس کی تربیت کا چار نکاتی لائحہ عمل

مولانا اشرف علی تھانوی رحمت اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ نفس کے بگاڑ کو کم کرنے کے چار طریقے ذکر فرمائے ہیں:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وہ "قلت کلام" کرے یعنی کم بات کرے زیادہ بولنے کی کوشش نہ کرے۔ کثرت کے ساتھ اپنی زبان کو نہ چلائے، بلکہ جب ضرورت ہو تب بولے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جو زیادہ بولتا ہے وہ غیبت زیادہ کرتا ہے، زیادہ بولنے سے بہتان طرازی کا بھی خطرہ رہتا ہے، جھوٹ بھی بول سکتا ہے، تکبر کا کلمہ بھی زبان سے نکال سکتا ہے۔ لیکن ان سب کا آسان حل یہ ہے کہ وہ زیادہ بولنے سے پرہیز کرے۔ جب ضرورت ہو تب ہی بولے۔

دوسرا "قلت طعام" کرے یعنی کم کھائے ہر وقت کھانے کا معمول نہ ہو، زیادہ کھانے کی ترتیب نہ ہو، ایسا نہ ہو کہیں روڈ شارع گلی چوراہے پر وقت بے وقت کھائے جا رہے ہیں، کہیں کھڑے کھڑے کھا رہے ہیں، کہیں دوستوں کے ساتھ اور کبھی ناشتہ دو تین بار۔

تیسرا "قلت منام" یعنی کہ سونا بھی کم کرے۔ کیوں کہ زیادہ سونا زیادہ وبال کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حکماء فرماتے ہیں کہ زیادہ سونے کی صورت میں انسان کا دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور جو بہت کم سوتا ہے اس کا جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ سونے کا ایک درمیانہ معمول ہونا چاہیے جتنا انسان صحت کے لیے ضروری ہو بس ورنہ جب بہت زیادہ سوئے گا تو ساری شہوتیں جاگ اٹھیں گی۔

چوتھا "قلت اختلاط مع الانام" لوگوں کے ساتھ کم سے کم تعلق رکھے، غیر ضروری تعلق سے اجتناب کرے، بس حقوق العباد کی فکر کرے ورنہ زیادہ میل جول سے گناہوں کے مواقع بڑھنے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔

نفسانی خواہشات ٹالنے کا طریقہ

جو شخص یہ چار کام کرے گا اس کے لیے نفس کو راہِ راست پر لانا آسان ہو جائے گا جیسے فرمایا آیت میں کہ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" تاکہ تمہارے اندر پرہیزگاری آجائے اور تم متقی بن جاؤ اور متقی انسان تب ہی بن سکتا ہے جب وہ نفس کے تقاضوں پر عمل نہ کرے، جو دل چاہ رہا ہے اس کے خلاف کرے مثلاً فجر کے وقت اگر دل چاہ رہا ہے کہ سویا رہوں تو پھر نہ سوئے اور تنگدستی میں دل چاہ رہا ہے کہ حرام کما کر مالامال ہو جاؤں تو تنگدستی برداشت کرے، نفس کی چاہت ہو کہ نظر اٹھا کر خوب صورت چہرہ دیکھوں تو نظر نیچی رکھے۔

ڈاکٹر عبدالحٔ عارفی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا واقعہ خود ذکر کیا کہ جو نفس کہ رہا ہے اس کے خلاف کیسے کرتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رات کو تہجّد کے لیے اٹھا تو شیطان نے میرے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ بڑھاپے میں تہجّد پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ گویا نفس سے ان کی گفتگو ہو رہی ہے کہ آپ ابھی اپنی صحت کا خیال رکھیں، آپ ذرا یہ بھی دیکھیں کہ یہ کوئی فرض نماز تو نہیں ہے بلکہ نفلی نماز ہے، یہ تو آپ پر لازم بھی نہیں ہے اور آپ پر اتنی کمزوری آگئی ہے کہ آپ تو فرض نماز بھی گھر میں پڑھ سکتے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب نے من ہی من میں جواب دیا کہ میں تہجّد پڑھنے کے لیے نہیں اٹھ رہا بلکہ میں تو بس بیٹھ جاتا ہوں اور دو چار ذکر کے کلمات کہہ کر پھر سو جاؤں گا۔ جب وہ بیٹھ گئے اور ذکر کیا تو جب سونے کا تقاضا ہوا تو انہوں نے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ایک مرتبہ جب اٹھ ہی گئے ہو اور بیٹھ ہی گئے ہو تو وضو کر کے آجاؤ اور سو جاؤ۔ اب جیسے نفس ہمیں ٹالتا ہے بالکل ویسے ہی انہوں نے نفس کو ٹالنے کی کوشش کی اور کہا کہ میں وضو کر کے آجاؤں گا اور پھر فوراً سو جاؤں گا، میں کوئی تہجد پڑھنے کا ارادہ نہیں کر رہا۔ انہوں نے وضو کیا اور بیٹھ گئے اور پھر کہا کہ اب تو سو جاؤ اب تو

سونے کا وقت ہے۔ تو انہوں نے کہا اب جب اٹھ ہی گئے ہو اپنی نیند کا خمار توڑ دیا ہے اور باوضو بھی ہو تو اب دو رکعت نماز پڑھ کے سو جاؤ۔ اب آخر میں وہ دو رکعت پڑھ لیتے ہیں پھر آخری ضرب نفس کو یوں لگاتے ہیں کہ جب سب کچھ ہو ہی گیا ہے تو اپنا معمول مکمل کر کے سو جاؤ۔ اس طریقے سے وہ نفس کو ٹالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ انداز اختیار کیا ہے کہ نفس جس بات کا تقاضا کر رہا ہے اسی بات کے خلاف جانا، جس چیز کا داعیہ پیدا ہو رہا ہے اس کے خلاف چلنا جیسے داعیہ پیدا ہو رہا ہے کہ نظر اٹھانی ہے اور دیکھنا ہے تو اس کے خلاف چل کر نظر کو جھکا دینا۔ داعیہ پیدا ہو رہا ہے کہ اب سو جانا بہتر ہے تو اس کے خلاف اٹھ کر نماز کے لیے جانا ہے۔ داعیہ اگر یہ پیدا ہوا کہ نماز میں گھر میں پڑھ لیتا ہوں تو اسکا خلاف یہ ہے کہ میں ہمت کر کے مسجد چلا جاؤں۔ تو جب تک اس نفس پر آرے نہیں چلیں گے تب تک وہ تقوی کا جوہر پیدا نہیں ہو گا۔

روزہ ایک جامع تربیتی پروگرام

روزے کے ذریعے اللہ ربّ العزت نے اس مشکل اور لمبے کام کو آسان کر دیا کہ انسان کی طبیعت کے خلاف جتنے کام ہیں وہ سب روزے میں ایک ساتھ شامل کر دیئے ہیں۔ اب تمہارا کھانا بھی بند کر دیا ہے، تمہارا پینا بھی ممنوع ہے۔ تمہارا ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ روزے میں غصہ کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور تم جانتے ہو کہ جو گناہ کس کام روزے کے بغیر کیا جائے وہ گناہ اگر روزے میں کیا جائے تو اس کا گناہ زیادہ ہے۔

روایات میں ہے کہ جو شخص روزے کی حالت میں زبان سے جو اسکا جی چاہے نکال لیتا ہے تو اللہ کو ایسے روزے کی کوئی ضرورت نہیں وہ مفت میں اپنا کھانا پینا چھوڑ رہا ہے۔ تو یہ سارے مقاصد روزے میں ایک ساتھ جمع کر دیے جو نفس کو قابو کرنے کا ذریعہ ہیں۔ تاکہ ایک مہینے تک تم اس نسخے پر عمل کرتے رہو اور متقی بننے کا سفر شروع کر سکو۔

اگر ہم یہ تصور کریں کہ ایک بند کمرے میں کوئی فرد موجود ہے اور روزے سے اس کی زبان سوکھ چکی ہو۔ ایک ایسے کمرہ جس میں کوئی اسے دیکھ بھی نہیں رہا وہاں ایک کولر رکھا ہوا ہو جس کے نیچے گلاس بھی رکھا ہوا ہو۔ اور اس میں ٹھنڈا پانی موجود ہو اور وہ تھوڑا تھوڑا ٹپکتا بھی رہے، اس پانی کی ٹھنڈک اس گلاس میں بھی نظر آئے۔ الغرض نفس کے خلاف جو تقاضے ہیں وہ سب کے سب موجود ہی پیاس بھی شدت سے محسوس ہو رہی ہو لیکن روزے کی وجہ سے وہ ان تقاضوں پر ہر گز عمل نہیں کرتا اس کا مطلب اللہ ربّ العزت نے روزے دار میں قدرتی طور پر وہ صلاحیت رکھی ہے جو نفس کی تربیت کے لیے ضروری ہے تاکہ تمہارے لیے اپنے نفس کی تہذیب کرنا اور اس کو سدھارنا آسان ہو جائے۔ جب ایک مہینے تک یہ تربیت کا عمل جاری رہے گا تو گیارہ مہینوں تک اس کا اثر رہے گا اور پھر مزید قدت پیدا کرنے کے لیے ایک اور رمضان آجائے گا اور روزے کا مقصد یعنی تقوے کا حصول ممکن ہو جائے گا ان شاءاللہ۔



دربارِ فاروق رضؓ میں قاصدِ روم کا حاضر ہونا

محمد الرحمن

قیصرِ روم کا سفیر جب ہدایا و تحائف لے کر مدینہ پہنچا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے ؟ اہل مدینہ نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا کوئی محل نہیں ہے البتہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کا محل تو ان کی پاک روح ہے، جو اللہ کے تعلقِ خاص اور تجلیاتِ قرب سے منور ہو رہی ہے، جس نے انہیں سارے جہان کے شاہی محلات سے مستغنی کر دیا ہے۔

لوگوں نے کہا کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ، مدینہ کے قبرستان میں ملیں گے، قبرستان جا کر قاصدِ روم نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ، قمیص اُتارے ہوئے صرف تہبند پہنے ہوئے زمین پر سو رہے ہیں، نہ تخت، نہ تاج، نہ فوج و لشکر اور نہ حفاظتی دستہ، مگر ان کے چہرہ پر نظر پڑتے ہی قاصدِ روم رعب و ہیبت سے کانپنے لگا اور اپنے دل میں کہنے لگا: میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے، اور مدینہ تک بڑے بڑے سلطانوں کا ہم نشین رہا ہوں۔

بادشاہوں سے مجھے کبھی خوف نہ محسوس ہوا، لیکن اس ٹاٹ کا لباس پہنے ہوئے شخص کی ہیبت تو میرے ہوش اُڑا رہی ہے۔ یہ شخص بغیر کسی ہتھیار کے اور بغیر کسی فوجی پہرہ کے زمین پر اکیلا سویا ہوا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ اس کی ہیبت سے میرا پورا جسم کانپ رہا ہے، اور ایسا لرزہ طاری ہے کہ اگر مجھے سات جسم اور عطا ہو جائیں تو اس لرزہ کا تحمل نہ کر سکیں اور سب کانپنے لگیں۔ پھر وہ قاصد دل میں کہنے لگا۔

یہ رعب اس پھٹے پرانے لباس والے شخص کا نہیں ہے، دراصل یہ اللہ کا رعب ہے، کیونکہ اس پیوند زدہ لباس والے بادشاہ کا قلب اللہ کے قرب اور معیّتِ خاصہ سے مشرف ہے، پس یہ اسی معیّتِ الٰہی کا رعب و جلال ہے، جو اس مردِ حق کے چہرہ سے نمایاں ہو رہا ہے۔ پھر یہ قاصد حضرت عمرُ فاروق رضی اللہ عنہ کی صحبت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو خدا سے ڈرتا ہے اور تقوی اختیار کرتا ہے اس سے جِن اور اِنسان سب ڈرتے ہیں، اور جو بھی دیکھے گا اس پر ہیبت اس مردِ حق کی غالب ہو گی۔(مثنوی مولانا رومؒ کے ایمان افروز واقعات)

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ : سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ تَعَالَى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَدْلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ؛ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَتَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.'' (باب الصدقة باليمين،138/2)

ترجمہ: ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا: حاکمِ عادل اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو اور وہ دو اشخاص جو باہم صرف اللہ کے لیے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لیے اور جب جدا ہوں تو اسی کے لیے اور وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت زنا کے لیے بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لیے نہیں آسکتا اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جائیں۔



رب کی پکڑ

محمد عبداللہ چترالی

تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔(سورہ ھود-102)

آدمی کی بدنصیبی اور پسماندگی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں پر ظلم کرے، ان کے حقوق مارے، ان کمزوروں کو پیس ڈالے، ایک دانا کا بڑا اچھا قول ہے کہ: اس شخص سے ڈرو جس کا تمہارے مقابلہ میں اللہ کے علاوہ کوئی اور مددگار نہ ہو۔

قوموں کی تاریخ میں اس قسم کے ظالموں کی بہت سی عبرتناک مثالیں موجود ہیں، مثلاََ عامر بن طفیل رسول اللہ ﷺ کی جان کا دشمن تھا آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے بددعا دی تو اللہ تعالی نے اس کے حلق میں گلٹی نکال دی جس سے وہ درد والم میں چیختا ہوا مر گیا۔

اربد بن قیس رسول اکرم ﷺ کو ایذا دیتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسے بددعا دی، اللہ تعالی نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گرادی۔



حجاج جب سعید بن جبیر کو قتل کرتا ہے تو شہادت سے چند منٹ پہلے سعید رضی للہ عنہ اسے بد عادیتے ہیں یا للہ !اس کو میرے بعد کسی پر مسلط نہ کرنا۔ چنانچہ حجاج کے ہاتھ میں پھوڑا نکل آیااور پورے بدن میں پھیل گیا۔اس کے منہ سے بیل کی سی آوازیں نکلتی تھیں، پھر افسوس ناک حالت میں مر گیا۔

سفیان سوری ابو جعفر منصور کے خوف سے چھپ گئے۔ وہ حرم مکی میں داخل ہونے کے ارادے سے چلا۔ جس میں حضرت سفیان سوری رضی للہ عنہ چھپے ہوئے تھے، حضرت سفیان رضی للہ عنہ نے گڑ گڑا کر کعبہ کے پردے پکڑے دعا کی کہ للہ منصور کو کعبہ میں داخل ہونے نہ دینا۔ چنانچہ وہ مکہ داخل ہونے سے پہلے ہی بئر میمون کے نزدیک مر گیا۔

متعزلی قاضی احمد بن حنبل رحمتہ للہ علیہ کو تکلیفیں دینے میں حصہ لیا۔امام صاحب کی بدعا سے اس پر فالج گرا وہ کہا کرتا تھا کہ میرے نصف بدن پر مکھی گر جائے تو قیامت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آدھے جسم کو قینچیوں سے بھی کاٹ دیا جائے تو پتہ نہیں چلتا احمد بن حنبل رحمتہ للہ علیہ نے وزیر ابن زیاد کو بھی بدعادی چنانچہ اللہ نے اس پر ایسا آدمی مسلط کر دیا جس نے اسے پکڑ کر آگ میں ڈال دیا اور اس کے سر میں کیلیں گاڑ دیں۔

جمال دین الناصر نے صالح مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا جہاں موذی حمزہ البسیونی انہیں طرح طرح کے عذاب دیتا اور گستاخی سے کہتا تمہارا خدا کہاں ہے ؟ میں اسے بھی زنجیر میں جکڑ دوں گا (نعوذ باللہ)۔وہ قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا اس کی کار ٹرک سے ٹکرا گئی۔ٹرک میں لوہا تھا اس کے جسم میں سر سے پاؤں تک لوہا گھس گیا، جسے بڑی مشقت سے جسم سے نکالا گیا، نکالنے میں پورا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

(اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور) کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے ؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس (اللہ) نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے، (وہ (آخر تک) ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے) (سورہ فصلت 15)



کلام: مظلوم فلسطین

ایم راقم نقشبندی

مظلوم فلسطین ہے ہر دور میں ہر بار
مٹ جائیں گے اس بار فلسطین کے غدار

غدارِ فلسطینی منا خیر تو اپنی
یہ چین و عرب اور عجم آئیں گے یکبار

برداشت نہیں امت مسلم پہ یہ ظلمت
جاگی ہے اب امت میں وہ ایوبی سی یلغار

مٹ جائے گی ظلمت تیرے گلزار و چمن سے
رکھتے ہیں عمر حیدر و کرار سی للکار

جو کچھ بھی ہو جیسا بھی ہو برداشت کریں گے
اقصا تجھے آزاد کرائیں گے ہم اِس بار



کیوں ہم کو ڈراتے ہو یہ جنگ اور جدل سے
ہم لوگوں نے دیکھے ہیں یہ تلواروں کے انوار

وہ غزوہءِ خندق وہ اُحُد بدر نہ بھولو
سب نقشے دکھائیں گے ہم اُس بار کے اِس بار

ہے طیش میں مسلم سرِ میدان تو آؤ
اب آر نہ بن پائیں گے یہ دریا و کہسار

ہاتھوں میں ہے شمشیر ہے دستارِ شہادت
جذبوں کو بڑھاتے ہیں اے راقم ترے اشعار

صدقہ کی فضیلت

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ"(البقرۃ: 261، 262)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ کیے ہوئے مالوں) کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے (فرض کرو) سات بالیں جن میں (اور) ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے) اس کو آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطر ہو گا اور نہ یہ مغموم ہونگے۔" (بیان القرآن)

والدین کی دعاؤں کی کرامت



محمد حفص فاروقی

اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سمندر کے کنارے جائیں اور قدرت الٰہیہ کا تماشا دیکھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے مصاحبین کے ساتھ تشریف لے گئے۔ مگر انھیں کوئی ایسی شے نظر نہیں آئی۔ آپ نے ایک جن کو حکم دیا کہ سمندر میں غوطہ لگا کر اندر کی خبر لاؤ۔ عفریت نے غوطہ لگایا مگر کچھ نہ پایا، اور واپس آکر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں نے غوطہ لگایا مگر سمندر کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا، اور نہ کوئی شے دیکھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے قوی جن کو غوطہ خوری کا حکم فرمایا: مگر وہ بھی نامراد واپس آیا، اگرچہ یہ اس سے دوگنی مسافت تک اندر گیا تھا۔ اب آپ نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو سمندر میں اُترنے کا حکم دیا۔

انہوں نے تھوڑی دیر میں ایک سفید کافوری قبہ لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا، جس میں چار دروازے تھے۔ ایک دروازہ موتی کا، دوسرا یاقوت کا، تیسرا ہیرے کا، اور چوتھا زمرد کا۔ چاروں دروازے کھلے ہونے کے باوجود اندر سمندر کے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں داخل ہوا تھا؛ حالانکہ قبہ سمندر کی تہہ میں تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ اس کے اندر ایک خوبصورت نوجوان صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے نماز میں مشغول ہے۔ آپ قبہ کے اندر تشریف لے گئے، اور اس سے سلام کر کے دریافت فرمایا کہ اس سمندر کی تہہ میں تم کیسے پہنچ گئے؟ اس نے



جواب دیا: اے اللہ کے نبی ! میرے ماں باپ معذور تھے اور میری ماں نابینا تھیں، میں نے ان دونوں کی ستر سال تک خدمت کی۔ میری ماں کا جب انتقال ہونے لگا تو اس نے دعا کی: خداوندا: اپنی طاعت میں میرے فرزند کو عمر دراز عطا فرما۔

اسی طرح جب میرے باپ کا وصال ہونے لگا تو انہوں نے دعا کی: پروردگار میرے بیٹے کو ایسی جگہ عبادت میں لگا جہاں شیطان کا دخل نہ ہو سکے. میں اپنے والد کو دفن کر کے جب اس ساحل پر آیا تو مجھے یہ قبہ نظر آیا۔ اس کی خوبصورتی کا مشاہدہ کرنے کے لیے میں اس کے اندر چلا گیا. اتنے میں ایک فرشتہ وارد ہوا، اور اس نے قبہ کو سمندر کی تہہ میں اُتار دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا: تم کس زمانے میں یہاں آئے؟

نوجوان نے جواب دیا: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جان لیا کہ اسے دو ہزار سال ہو گئے ہیں؛ مگر وہ اب تک بالکل جوان ہے، اور اس کا بال بھی سفید نہیں ہوا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تم وہاں کھاتے کیا ہو؟

نوجوان نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ! ایک سبز پرندہ روزانہ اپنی چونچ میں سر برابر کی ایک زرد چیز لے کر آتا ہے میں اسے کھا لیتا ہوں، اور اس میں دنیا کی تمام نعمتوں کا لطف ہوتا ہے۔ اس سے میری بھوک بھی مٹ جاتی ہے اور پیاس بھی رفع ہو جاتی ہے. اس کے علاوہ گرمی، سردی، نیند، سستی، غنودگی اور نامانوسی و وحشت یہ تمام چیزیں مجھ سے دور رہتی ہیں۔

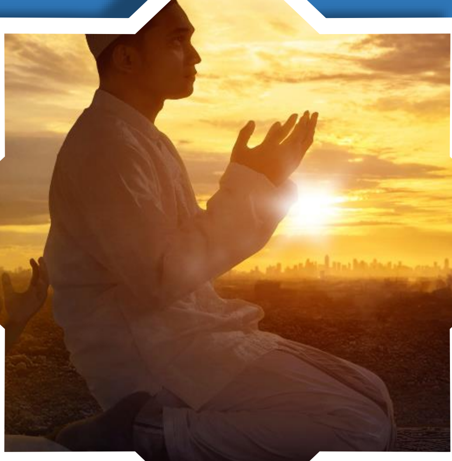
حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اب تم ہمارے ساتھ بیٹھنا چاہتے ہو یا تمھیں تمہاری جگہ پہنچا دیا جائے؟

نوجوان: حضور ! مجھے میری ہی جگہ بھجوا دیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انھوں نے قبہ اٹھا کر پھر سمندر کی تہہ میں پہنچا دیا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

اللہ تم پر رحم کرے دیکھو والدین کی دعا کتنی مقبول ہوتی ہے۔ لہٰذا اُن کی نافرمانی سے بچو ۔ (نوجوانوں کی حکایات کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ 214/215)



نعمتوں کی ناقدری



مولانا عبدالمتین

رب العالمین کا فرمان ہے کہ:

"قتل الانسان ما اکفرہ"

ترجمہ: "ستیاناس ہو کتنا ہی ناشکرا ہے یہ انسان"

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں بے شمار نعمتوں کے مالک ہیں اور اکثر نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سوں کے تو ہم لائق ہی نہیں ہیں، لیکن انسان میں بہت بڑی کمزوری پائی جاتی ہے جسے "ناشکری" کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ سے انسان بہت سی حاصل شدہ نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان حاصل شدہ نعمتوں میں بہت سی ایسی ہیں جن کے لیے انسان اپنے زندگی کے ایک دور تک ہمیشہ آرزو مند رہتا، گڑگڑا کر دعائیں کرتا، خیالات، سوچ، فکر، امنگ، چاہت اور احساس سب اس نعمت کے حصول کے گرد گھومتے تھے۔ جان بوجھ کر ایسا سوچتا تھا کہ اس نعمت کے حاصل ہونے کے بعد کا منظر کیسا ہوگا وہ کیسا وقت ہوگا اور لوگ نجانے کیا کچھ کہیں گے، کیسی دسد ملے گی اور بس زندگی کا نقشہ ہی بدل جائے گا پھر بس کچھ چاہنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی، کاش یہ ہو جائے، کاش یہ مل جائے، کاش یہ اب مل ہی جائے۔



لیکن پھر وہ وقت زندگی میں آہی جاتا ہے اور دیر سویر وہ نعمت مل ہی جاتی ہے اور اس ناشکرے کمزور انسان کی خواہش تمنا آرزو پوری ہو جاتی ہے۔ قدرت بھی یہ منظر دیکھنے کو آجاتی ہے کہ دیکھیں اب اس کا رد عمل کیا آتا ہے اب یقیناً یہ چین سکون اطمینان سے رہ رہا ہو گا اب تو یہ شکر کے گیت گاتا ہو گا لیکن انسان قرآنی گواہی کو سچا ثابت کرتے ہوئے اس موقع پر پھر سے افسردہ حیران پریشان یادوں میں غرق ہوتا نظر آتا ہے اور اسے جھنجھوڑ کر جب پوچھا جاتا ہے تو وہ کسی اور نعمت کے حاصل کرنے کی تمنا میں مگن ہو کر اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔

سورۃ عادیات میں رب کا فرمان ہے:

ان ا لانسان لر بہ لکنود

ترجمہ: "انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے"

اس آیت کی تفسیر میں لفظ "کنود" سے مراد یہی انسان ہے جو حاصل نعمتوں کو بھول جاتا ہے اور لا حاصل نعمتوں کی یاد میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی ناقدرے کو کتنا ہی قیمتی تحفہ کیوں نہ دیا جائے وہ اس کی نظر میں بے قیمت ہی رہتا ہے۔ ٹھیک یہی رویہ انسان کا ہے یہ رب کی بہت سی نعمتوں سی نعمتوں کے لائق ہی نہیں ہے، لیکن رب العالمین اپنے فضل کی بارش کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ قدرداں ہوتا تو فضل الٰہی کے ایک ایک لمحے کے بدل اپنا سب کچھ وار دیتا، یہ اس کی ناشکری طبیعت ہی ہے جو اسے فضل عظیم کرنے والی ذات کی قدر سے کیے ہوئے ہے۔

حاصل کی ناقدری اور لا حاصل کی تمنا انسان کو بہت بڑے دھوکے میں ڈال دیتی ہے، وہ غور و فکر کرنا گوارا نہیں کرتا کہ اس کے پاس اس وقت کیا کچھ نعمتیں موجود ہیں وہ اپنی پرستش میں ایسا گم ہے کہ اسے کوئی اور نظر نہیں آتا۔

ذرا شکر کی آنکھ کھلے تو یہ دیکھے کتنے بے اولاد ہیں لیکن یہ صاحب اولاد ہے، کتنے بے روزگار ہیں لیکن یہ برسر روزگار ہے، کتنے بے گھر ہیں لیکن یہ ایک چھت تلے زندگی گزار رہا ہے، کتنے معذور ہیں اور یہ دنیا کے پیچھے دوڑ دوڑ کر تھکتا نہیں، کتنے ایسے ہیں جو آنکھ، بال، دل، گردہ، گلا، مثانہ، معدہ، کینسر اور کئی خطرناک اور لا علاج بیماریوں میں مبتلا ہیں لیکن یہ صحت کی دولت لیے گھوم پھر رہا ہے، کتنے ایسے ہیں کہ مر چکے لیکن یہ اب تک قیمتی سانسوں کا مالک ہے اور اب بھی شکر کر کے اپنے لیے کیا سے کیا نہیں کر سکتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی صحبت اپنی سوچ اور اپنے رویہ کا از سر نو جائزہ لیں اور ذرا سوچیں کہ کیا کچھ ہے میرے پاس جو بہت سوں کے پاس نہیں ہے اگر انسان اس تجربے سے کامیاب گزرا تو زندگی کا مزہ ہی دوبالا ہو جائے اور بہت سے مسائل اس تحریر مکمل پڑھنے سے پہلے ہی دم توڑ لیں۔



امت میں امانت کی ادائیگی کا اہتمام

محمد شعیب

شاہ جہاں شاہانِ مغلیہ میں سے تھے، کوئی زیادہ دین دار نہیں تھے، دین داری میں تو عالمگیر معروف ہیں۔ایک مرتبہ رات دو بجے کے قریب ان کی بیوی نے کہا: کہ جس بادشاہ کی سلطنت اتنی وسیع ہو اور وہ ایسے آرام سے سوئے یہ زیب نہیں دیتا۔ یہ سن کر شاہ جہاں نے سنتری کو حکم دیا کہ لشکر کا دستہ لے کر جاؤ اور نواب سعد اللہ خان کو ابھی اسی وقت جس حالت میں ہو اٹھا لاؤ۔(نواب سعد اللہ خان شاہ جہاں کے وزیر تھے)۔

چنانچہ لشکر کا ایک دستہ لے کر وہ سنتری گیا۔ دیکھا کہ نواب سعد اللہ خان اپنے مکان میں لکڑی لئے چوکی کے اوپر دیا جلا کر بیٹھے ہوئے ہیں، بارش کا زمانہ ہے، پتنگے ان کے جسم پر بھی چمٹ رہے ہیں، چراغ پر بھی چمٹ رہے ہیں، سامنے کاغذات ہیں اور گرمی کی وجہ سے کرتہ اتار کر خالی لنگی پہنے ہوئے ہیں۔ لشکری دستہ پہنچا اور ان سے کہا گیا کہ : بادشاہِ وقت کا حکم ہے کہ آپ جس حالت میں ہوں اس حالت میں ہم آپ کو اٹھا کر لے جائیں،انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ اسی چوکی کو اٹھایا گیا اور وہ اپنا حساب کرتے رہے اور اسی حالت میں وہ قلعہ میں پہنچے۔

بادشاہ کو اطلاع کرائی گئی کہ آپ کے حکم پر عمل ہو چکا ہے، ہم نواب صاحب کو لے کر آگئے ہیں۔ بادشاہ نے اسی حال میں دیکھا اور پوچھا کیا کر رہے تھے ؟انھوں نے جواب دیا: فلاں علاقہ کی مال گزاری اور محصول آیا تھا اور اس محصول میں تین آنے زیادہ تھے تو میں نے اس



سال اور گذشتہ سال کے کاغذات منگوائے، اور میں بار باران کاغذات کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ تین آنے زیادہ کیوں ہیں؟ کیا میرے آدمیوں نے کسی پر ظلم تو نہیں کیا؟ اس لیے میں اس کو تلاش کر رہا تھا۔ دشاہ نے کہا پھر کیا ہوا؟ جواب کیا ملا؟ انھوں نے کہا: جب تک آپ کے آدمی مجھے اٹھانے کے لیے آئے اس وقت تک اس کا جواب نہیں ملا تھا؛ لیکن راستہ میں اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا، یاد آگیا، بات دراصل یہ ہے، فلاں جگہ کے تحصیل دار نے محافظ خانہ - جس میں کاغذات وغیرہ حفاظت کی چیزیں رکھی جاتی ہں ل- کا تالا پرانا ہونے کی وجہ سے نیا تالا لینے کی درخواست کی تھی، وہ درخواست منظور ہوئی تھی، نیا تالا لائے اور پرانا تالا تین روپے میں بیچ کر اسی کو مال گزاری میں داخل کیا تھا۔ یہی تین روپے زیادہ ہیں۔

بادشاہ نے بیگم سے کہا کہ جس کا وزیر اتنا دیانت دار اور اتنا فکر مند ہو، اگر بادشاہ رات کو آرام سے سوتا ہے تو کیا حرج کی بات ہے۔

یہ ہیں امانت اور دیانت کے تقاضے ہیں۔ (حضرت اقدس مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے وعظ کا ایک اقتباس)

رُبَّ صَائِمٍ لَیُسَ لَه مِنُ صِیَامِه اِلَّا الُجُوُعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَیُسَ لَه مِنُ قِیَامِه اِلَّا السَّهُرُ۔ (سنن ابن ماجه حدیث ۱۶۹۰۔ سنن نسائی حدیث ۳۳۳۳)

بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزے کے ثمرات میں سے بھوکا رہنے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اَلصَّوُمُ جُنَّةٌ مَالَمُ یَخُرِقُهَا۔ (نسائی شریف حدیث ۲۲۳۳، مسند احمد حدیث ۱۶۹۰)

روزہ آدمی کے لیے ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔ یعنی روزہ آدمی کے لیے شیطان سے، جہنم سے اور اللہ کے عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے، جب تک گناہوں (جھوٹ وغیبت وغیرہ) کا ارتکاب کر کے روزے کو خراب نہ کرے۔



امام اوزاعی رحمہ اللہ کے آنسو



محمد معاذ

حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ بہت بڑے عالم تھے، مجتہد تھے اور ان کا بھی مسلک بہت زمانے تک دنیا میں چلتا رہا تھا، جیسے امام ابو حنیفہ کا، امام شافعی کا، امام مالک کا، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک آج چل رہا ہے۔ اسی طرح امام اوزاعی کا بھی مسلک چلتا تھا، لیکن جب ائمۂ اربعہ کا مسلک بہت آگے بڑھ گیا، لوگوں کے اندر اس کو مقبولیت ہو گئی، تو پھر دوسرے ائمہ کے ماننے والے ختم ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی بہت بڑے مجتہد و امام تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ فجر کے بعد ان کے گھر پڑوس کی ایک عورت آئی، امام اوزاعی رحمہ اللہ گھر میں موجود نہیں تھے، چھوٹا سا گھر تھا، ایک طرف مصلیٰ بچھا ہوا تھا، ایک طرف حضرت کی اہلیہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ عورت آکر ان کے بازو بیٹھ گئی اور کچھ باتیں کرنے لگی، اتنے میں اس کی نظر مصلیٰ پر پڑی، تو وہ عورت حضرت کی اہلیہ سے کہنے لگی: اماں جان! یہ دیکھیے! مصلیٰ بھیگا ہوا ہے، اس پر کسی بچے نے پیشاب کر دیا ہو گا۔

حضرت کی اہلیہ نے کہا کہ ہمارے یہاں تو کوئی بچہ ہے نہیں، ہم بوڑھا، بوڑھی دو ہی آدمی یہاں رہتے ہیں، ہمارے یہاں کوئی بچہ نہیں ہے۔ اس عورت نے کہا: اگر بچہ نہیں ہے، تو پھر پانی پڑ گیا ہو گا، یہ دیکھیے! مصلیٰ بھیگا ہوا ہے، تو حضرت کی اہلیہ نے مصلے پر اپنا ہاتھ پھیرا، تو اس کے اوپر نمی تھی، یہ دیکھ کر کہا کہ یہ نہ پیشاب کی نمی ہے، نہ ہی پانی کی نمی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے حضرت پوری رات اس مصلیٰ پر روتے رہتے ہیں، وہ تری ان کے آنسوؤں کی وجہ سے ہے، جو تم کو نظر آ رہی ہے۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے)



عقل باریک ہوتی جاتی ہے، روح تاریک ہوتی جاتی ہے



انتخاب: محمد زید

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ترقی کر رہی ہے جو کہ غلط ہے، مادی اعتبار سے دنیا بے شک ترقی کر رہی ہے، صنعت و حرفت، سائنس اور ٹیکنالوجی ظاہری ترقی کی علامات ہیں اور مشاہدہ سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں، حکومتوں کو چلانے میں بھی دنیا نے بڑی ترقی کی ہے تاہم بدکاری، بدمعاشی، برائی، ظلم وجہالت تو پہلے سے زیادہ ہے مگر ترقی کا یہ معیار تو نہیں ہے۔

اگر معاشرہ نے حقیقی ترقی کی ہوتی تو یہ برائیاں نظر نہ آتیں، آج معاشرہ نہ تو امریکہ کا ٹھیک ہے، نہ برطانیہ کا اور نہ کسی دوسرے نام نہاد ترقی یافتہ ملک کا، سب سے زیادہ ترقی یافتہ برطانیہ والے تسلیم کئے جاتے ہیں مگر سب سے زیادہ برائیاں بھی وہیں پائی جاتی ہیں، امریکہ میں بھی ہر برائی عروج پر ہے مگر دماغی اور عقلی اعتبار سے تو یہ کوئی ترقی نہیں ہے بلکہ ہر قدم تنزل کی طرف اٹھ رہا ہے۔

ہمارے دور کے مشہور شاعر جگر مرادآبادی نے بڑی پتے کی بات کی ہے، وہ بھی پہلے تو ایسا ہی تھا مگر بعد میں تائب ہو گیا، کہتا ہے:

"عقل باریک ہوتی جاتی ہے، روح تاریک ہوتی جاتی ہے"

مطلب یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت مشینری اور زندگی کی آسائش کی چیزیں تو بہت ایجاد ہو چکی ہیں مگر روح تاریک ہو رہی ہے لہذا روحانی اعتبار سے یہ نام نہاد ترقی کچھ بھی نہیں ہے، کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے، اس کا کوئی خالق ومالک اور معبود برحق بھی ہے یا نہیں، اور کیا اس مادیت سے آگے بھی کوئی چیز ہے یا نہیں، کوئی نہیں جانتا بلکہ سب اندھیرے میں ٹکریں مار رہے ہیں، کسی شخص کو



اپنے مالک حقیقی کے ساتھ تعلق کا کچھ پتہ نہیں، وہ نہیں جانتا کہ سلسلہ انسانیت کیا ہے، ہر ایک انسان کو کدھر جانا ہے اور وہ کس طرف جارہا ہے غرضیکہ امام ابن سیرینؒ نے ایک جملہ کہہ کر یہ بات سمجھائی ہے کہ علم حدیث مدارِ دین ہے، دین کی تمام باتیں اور اصول اسی علم سے معلوم ہوتے ہیں۔(افادات: مفسر قرآن، محدث کبیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ)

فطرہ کسے کہتے ہیں؟

جو مسلمان اتنا مال دار ہے کہ اس پر زکاۃ واجب ہے یا اس پر زکاۃ واجب نہیں، لیکن قرض اور ضروری اسباب اور استعمال کی اشیاء سے زائد اتنی قیمت کا مال یا اسباب اس کی ملکیت میں عید الفطر کی صبح صادق کے وقت موجود ہے جس کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر عید الفطر کے دن اپنی اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے، چاہے وہ تجارت کا مال ہو یا تجارت کا مال نہ ہو، چاہے اس پر سال گزر چکا ہو یا نہ گزرا ہو، اس صدقہ کو صدقۂ فطر کہتے ہیں۔

ایک حدیث مبارک میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کو فضول ولایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لیے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے صدقہ فطر واجب قرار دیا۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ". (رواہ ابوداؤد)

اس حدیث میں صدقہ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے: ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقہ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزے پر جو بُرے اثرات پڑے ہوں گے یہ صدقہ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

(دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر:144309101384)



ماہِ رمضان آگیا

ایم راقم نقشبندی

بخششوں اور رحمتوں کا لے کے ساماں آ گیا
ماہِ رمضاں ماہِ رمضاں ماہِ رمضاں آ گیا

رب کی رحمت سے منور ہیں زمین و آسماں
شکر ہے رب کا اے لوگو! ماہِ فیضاں آ گیا

لمحہ لمحہ ہر گھڑی قرآن سے روشن ہوئی
نور کا یہ سائباں ہے ماہِ قرآں آ گیا

نیکیوں میں ہے اضافہ برکتوں کا ہے نزول
مومنوں خوشیاں مناؤ ماہِ یزداں آ گیا

اس مہینے میں اتارا رب نے قرآنِ مبیں
رب کی رحمت سے اے لوگو! ماہِ فرقاں آ گیا

خوب راقمؔ رب کی رحمت سے اٹھاؤ فائدہ
رحمتِ رمضان ہے یہ ماہِ فرقاں آ گیا





اسماء الحسنیٰ (قسط دوم)

طاہرہ فاطمہ

اَلْجَبَّارُ

(اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا)

اس کا مادہ **جبر** ہے۔**جبر** کے معنی ہیں کسی شے کو طاقت سے درست کرنا، کسی چیز کی بزور اصلاح کرنا۔اگرچہ عربی زبان میں کبھی جبر محض اصلاح کے لیے بھی بولا جاتاہے اور کبھی زبردستی کے لے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس کا حقیقی مفہوم اصلاح کے لیے طاقت کا استعمال ہے۔ پس اللہ تعالی کو جبّار اس معنی میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کائنات کا نظم بزور درست رکھنے والا اور اپنے ارادے کو، جو سراسر حکمت پر مبنی ہوتا ہے، جبراً نافذ کرنے والا ہے۔

لفظ **جبار** میں عظمت کا مفہوم بھی شام ہے۔

عربی زبان میں کھجور کے اس درخت کو **جبار** کہتے ہیں جو اتنا بلند بالا ہو کہ اس کے پھل توڑنا کسی کے لیے آسان نہ ہو۔اسی طرح کوئی کام جو بڑا عظیم الشان ہو عمل **جبار** کہلاتا ہے۔(تفہیم القرآن، ج5، الحشر، ص415، حاشیہ 42)



قرآن مجید میں یہ نام صرف ایک بار آیا ہے۔

اَلْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ(سورۃ الحشر آیت 23)

سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔



اَلْمُتَكَبِّرُ

(بڑا ہی ہو کر رہنے والا)

متکبر کبر سے بنا ہے۔ کبر کے معنی رفعت، شرف، عظمت اور بزرگی ہیں۔ وہ عظمت والے اور مخلوق کی صفات سے بلند شان والا ہے۔ اپنی عنایات میں غالب ہے۔ اس اسم کا اطلاق بطور مدح اللہ تعالی کے علاوہ کسی پر نہیں ہو سکتا۔

المتکبر اس کے دو مفہوم ہیں (1) وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔ (2) وہ جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔ انسان ہو یا شیطان، یا کوئی اور مخلوق، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا ایک بد ترین عیب ہے۔ اس کے بر عکس اللہ تعالی حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی تصنع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج 5، الحشر، ص 412، حاشیہ 43)

عظمت و کبریائی والا، اپنی مخلوقات کی صفات سے بلند تر، سرکشوں کو قابو کرنے والا

قرآن مجید میں یہ نام ایک مرتبہ آیا ہے۔

اَلْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ(سورۃ الحشر آیت 23)

سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔





اَلْخَالِقُ ❖ اَلْخَلَّاقُ

(تخلیق کا منصوبہ بنانے والا، بڑا پیدا کرنے والا)

بغیر کسی سابق مثال کے خلقت کی ابتدا کرنے والا۔ الخلاق مبالغہ کا صیغہ ہے مراد کثرت سے اشیاو مخلوقات کو وجود میں لانے والا۔ قرآن مجید میں اسم "الخالق" آٹھ بار اور "الخلّاق" دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (سورۃ الحشر آیت 24)

وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (سورۃ الحجر آیت 86)

یقیناً تمہارا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔



اَلْبَارِئُ

بارئ برء سے ہے جس کے اصل معنی ہیں جدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ خالق کے لیے باری کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سوچے ہوئے نقشے کو نافذ کرتا اور اس چیز کو، جس کا نقشہ اس نے سوچا ہے، عدم سے نکال کر وجود میں لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے انجنیئر نے عمارت کا جو نقشہ ذہن میں بنایا تھا اس کے مطابق وہ ٹھیک ناپ تول کر کے زمین پر خط کشی کرتا ہے، پھر بنیادیں کھودتا ہے، دیواریں اٹھاتا ہے اور تعمیر کے سارے عملی مراحل طے کرتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج 5، الحشر، ص 416، حاشیہ 45)

قرآن مجید میں یہ نام تین مرتبہ آیت ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (سورۃ الحشر آیت 24)



وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔



اَلْمُصَوِّرُ

جو اپنی مرضی کے مطابق چیزوں کی تخلیق فرماتا ہے اور ان چیزوں کو اپنی حکمت کے مطابق صورت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ نام ایک بار آیا ہے

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (سورۃ الحشر آیت 24)

وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔



اَلْغَفُوْرُ ❖ اَلْغَفَّارُ ❖ غَافِرُ الذَّنْبِ

غفر کا معنی ہے چھپانا، ڈھانپنا۔ وہ ہستی جو گناہ معاف کرتی ہے اور توبہ کرنے والی کی توبہ قبول کرت ہے۔ اپنی شفقت اور محبت سے گناہوں کا پردہ بھی رکھتی ہے۔

"**الغفار**" مبالغہ کا صیغہ ہے، بے انتہا مغفرت کرنے والا۔ قرآن میں **الغفار** 5 بار آیا ہے۔

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (سورۃ الزمر آیت 5)

اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے اُسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے جان رکھو، وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔



غفور کے معنی میں مغفرت کا زائد از مقدار ہونا واضح ہوتا ہے۔ یعنی غفور وہ ہے جس کی عطا و بخشش لا انتہا ہے۔ قرآن میں "**الغفور**"91 بار آیا ہے۔

تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (سورۃ الشوری: 5)

قریب ہے کہ آسمان اپنے اُوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ (اُس کی) تسبیح کر رہے ہوں اور وہ ان کے لئے جو زمین میں ہیں بخشش طلب کر رہے ہوں۔ خبر دار! یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

غافر وہ ہستی ہے جو انسان کے گناہوں کی پردہ پوشی بھی کرتی ہے اور سب کے سامنے ان کو عیاں کر کے اپنے بندوں کو ذلیل و رسوا نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں **غافر الذّنب** صرف ایک مقام پر آیا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (غافر 3)

جو گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، پکڑ میں سخت اور بہت عطا اور وسعت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔



اَلْقَاهِرُ ❖ اَلْقَهَّارُ

جس کے آگے تمام مخلوقات اور سارے زور آور سر نگوں ہیں، ہر چیز پر اس کو مکمل غلبہ حاصل ہے، کائنات کی ہر چیز اس کی عظمت، جلال اور کبریائی کی وجہ سے اس کی اطاعت گزار ہے۔ قرآن مجید میں اسم "**القاھر**" دو مرتبہ اور اسم "**القھّار**"6 مرتبہ آیا ہے۔

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورۃ الرعد 16)

کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب!

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (سورۃ الانعام 18)



وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔



اَلْوَهَّابُ

وھّاب کے معنی کثرت سے اور دائمی عطا و نوازش کرنے والا۔ وہ جس کی عطا تمام مخلوق کے لیے عام ہو۔ وہ جس کو جو چاہے نواز دے۔ رزق دینا، ہدایت اور شفا دینا اس کا کام ہے۔ قرآن مجید میں یہ نام 3 بار آیا ہے۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ (سورۃ ص 9)

کیا ان کے پاس تیرے کامل غلبہ والے (اور) بہت عطا کرنے والے ربّ کی رحمت کے خزانے ہیں؟



اَلرَّزَّاقُ ❖ اَلرَّازِقُ

معنوی لحاظ سے اشیائے خور و نوش، مال و متاع وغیرہ وہ سب چیزیں جن سے انسان لذت پاتا ہے، حسی اور ذہنی طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے وہ سب رزق میں شامل ہیں۔

وہ جو اپنی تمام مخلوقات کو رزق دیتا ہے اور اپنے مومن بندوں کے لیے اس کی خاص عنایتیں ہیں۔ مثلاً ایمان کی نعمت عطا فرمانا، نفع دینے والا علم، رزق حلال عنایت کرنا۔ "**رزّاق**" سے مراد کثرت سے رزق عطا فرمانے والا۔ قرآن مجید میں اسم "**الرازق**" 5 بار اور "**الرزاق**" ایک بار آیا ہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سورۃ المائدۃ 114)



اس پر عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی "خدایا! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے خوشی کا موقع قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو، ہم کو رزق دے اور تو بہترین رازق ہے"

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (سورۃ الذریات 58)

اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست۔



اَلْفَتَّاحُ

اپنے بندوں کے درمیان بہترین فیصلہ کرنے والا جو ان کے اوپر رزق اور رحمت اور آسانیوں کے دروازے کھولتا ہے، اور ان کے لے اسباب پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس نام کا ذکر ایک بار آیا ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ (سورۃ سبا 26)

کہو، "ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا وہ ایسا زبردست حاکم ہے جو سب کچھ جانتا ہے"



اَلْعَلِيمُ ❖ اَلْعَالِمُ ❖ عَلَّامُ الْغُيُوبُ

جس کا علم اشیاء کے ظاہر و باطن نیز ان کی کھلی اور چھپی خصائص پر حاوی ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، جو ہو گیا یا ہونے والا ہے سب جانتا ہے۔ قرآن میں **العلیم** 157 مرتبہ، **العالم** 13 مرتبہ اور **علام الغیوب** 4 مرتبہ وارد ہوا ہے۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (سورۃ البقرۃ 115)

مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں جس طرف بھی تم رخ کرو گے، اسی طرف اللہ کا رخ ہے اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔



وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (سورۃ الانعام 73)

وہی ہے جس نے آسمان وزمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے اسی دن وہ ہو جائے گا اس کا ارشاد عین حق ہے اور جس روز صور پھونکا جائیگا اس روز پادشاہی اُسی کی ہو گی، وہ غیب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے اور دانا اور باخبر ہے

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (سورۃ المائدۃ 109)

جس روز اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا ہے، تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، آپ ہی تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جانتے ہیں



اَلْقَابِضُ ❖ اَلْبَاسِطُ

القابض یعنی روح کو قبض کرنے والا، اور روزی کو قبض کرنے، روکنے والا۔

الباسط یعنی وسعت دینے والا، رزق میں، رحمت میں اور دلوں میں کشادگی بخشنے والا۔ یہ ہر دو اسماء ہمیشہ ملے ہوئے آتے ہیں، ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ دونوں اسماء قرآن میں بطور اسماء مستعمل نہیں ہوئے۔ البتہ حدیث میں ثابت ہیں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

انّ اللہ ھو المسعّر ، القابض، الباسط

اللہ تعالیٰ ہی قیمتیں مقرر فرماتا ہے، وہی رزق تنگ اور کشادہ کرنے والا ہے۔ (ترمذی)







محبت کی حقیقت

محترمہ رعنا دلبر صاحبہ

حضرت شبلی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں نے ایک مجذوب (یعنی مجنون، دیوانہ) دیکھا جسے بچے پتھر مار رہے تھے، اس کا چہرہ اور سر لہولہان اور شدید زخمی تھا۔

حضرت شبلی علیہ رحمۃ اللہ ان بچوں کو ڈانٹنے لگے تو انہوں نے کہا: "ہمیں چھوڑ دو! ہم اسے قتل کریں گے کیونکہ یہ کافر ہے اور کہتا ہے کہ اس نے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو دیکھا ہے اور وہ اس سے کلام بھی کرتا ہے۔" تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بچوں سے فرمایا: اسے چھوڑ دو، پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے پاس تشریف لے گئے تو وہ مسکرا کر باتیں کر رہا تھا اور کہنے لگا:

"اے خوبصورت نوجوان! آپ کا احسان ہے، یہ بچے تو مجھے بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔" اس کے بعد اس نے پوچھا: "وہ میرے متعلق کیا کہہ رہے تھے؟" آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بتایا: "وہ کہتے ہیں کہ تم اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہو اور یہ کہ وہ تم سے کلام بھی کرتا ہے۔

یہ سن کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری، پھر کہنے لگا: "اے شبلی! حق تعالیٰ کی محبت و قربت سے مجھے سکون ملتا ہے، اگر لمحہ بھر بھی وہ مجھ سے چھپ جائے تو میں دردِ فراق سے پارہ پارہ ہو جاؤں۔"

حضرت شبلی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ یہ مجذوب اخلاص والے خاص بندوں میں سے ہے۔ میں نے اس سے پوچھا:



"اے میرے دوست ! محبت کی حقیقت کیا ہے ؟ "تواس نے جواب دیا:"اے شبلی ! اگر محبت کا ایک قطرہ سمندر میں ڈال دیا جائے (تو وہ خشک ہو کر) یا پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو وہ غبار کے بکھرے ہوئے باریک ذرّے ہو جائیں۔

لہٰذا اس دِل پر کیسا طوفان گزرے گا جس کو محبت نے اضطراب اور گریہ وزاری کا لباس پہنادیا ہو، اور سخت پیاس نے اس کے اندر جلن اور حسرتِ دیدار کو بڑھادیا ہو۔"

محبت ایک ایسا دانہ ہے جس کو دلوں کی زمین میں بویا جاتا ہے، گناہوں سے توبہ کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، پھر وہ محبت کی بالیوں کو اُگاتا ہے۔ ہر بالی میں سو دانے لگتے ہیں، اگر ان میں سے ایک دانہ دلوں کے پرندوں کے لئے رکھ دیا جائے تو وہ محبوب کی محبت میں سخت پیاسے ہو جائیں۔

اللہ عزوجل ہی کے لئے سب خوبیاں ہیں کہ اس کے ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے اپنے دل میں اپنے محبوب کے سوا کسی کے لئے کوئی جگہ نہ چھوڑی، اللہ عزَّوَجلَّ ہی کے لئے ان لوگوں کی خوبیاں ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف مائل ہوئے، مال و دولت کو چھوڑ دیا، دنیاوی مال کی مشغولیت سے اعراض کیا، ماضی اور حال کی تبدیلی سے عبرت حاصل کی اور حلال کھانے نے جاگنے میں ان کی مدد کی۔ (اَلرَّوضُ الفائق فِی الْمواعظ والرَّقائق حکایتیں اور نصیحتیں، ص ۳۴۔)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ.

"جو شخص عید الفطر اور عید الاضحی کی راتوں میں عبادت کی نیت سے قیام کرتا ہے، اس کا دل اس دن بھی فوت نہیں ہوگا جس دن تمام دل فوت ہو جائیں گے۔" (ابن ماجہ، السنن، کتاب الصیام، باب فیمن قام فی لیلتی العیدین، 2: 377، رقم: 1782)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحْيَا اللَّيَالِي الْخَمْسَ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ: لَيْلَةَ التَّرْوِيَةِ، وَلَيْلَةَ عَرَفَةَ، وَلَيْلَةَ النَّحْرِ، وَلَيْلَةَ الْفِطْرِ، وَلَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ.

"جو شخص پانچ راتیں عبادت کرے، اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ وہ راتیں یہ ہیں: آٹھ ذوالحجہ، نو ذوالحجہ (یعنی عید الاضحیٰ)، دس ذوالحجہ، عید الفطر اور پندرہ شعبان کی رات (یعنی شبِ برات)۔" (منذری، الترغیب والترھیب، 1: 182)